QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

گولڈزیہر کی کتاب "Introduction to Islamic Law and Theology" میں قرآن، رسالت اور مکی و مدنی عہد سے متعلق اعتراضات کا تحقیقی مطالعہ

Deconstructing Goldziher's Critique of Prophethood & Revelation: A Methodological Analysis of Introduction to Islamic Law & Theology

Muhammad Farooq Haider Yasin
Lecturer in Islamic Studies, Govt. Graduate College Abdul Hakim, Khanewal, Pakistan. Email: fhaider867@gmail.com
Imran Ali
Lecturer in Islamic Studies, Government Graduate College, Toba Tek Singh, Pakistan. Email: imran.ali.tts@gmail.com

Submission Date: 25 May 2026
Review Date: 01 June 2026
Acceptance Date: 09 June 2026
Publication Date: 20 June 2026

Article Link: https://alamir.com.pk/index.php/ojs/article/view/330

Abstract:
This study offers a critical and systematic evaluation of Ignaz Goldziher's contentious hypotheses regarding the Qurʾān, Prophethood, and the Makkan and Madinan structural periods as articulated in his seminal work, Introduction to Islamic Law and Theology. Goldziher posits that the Prophet Muhammad's (ﷺ) spiritual experiences were primary products of psychological meditation and socio-environmental contemplation rather than metaphysical, divine revelation (waḥy). Furthermore, he frames the gradual, chronological textualization of the Qurʾān as a reactive phenomenon mirroring contemporary political and historical developments.

Employing a rigorous qualitative and analytical methodology grounded in classical Islamic hermeneutics and intellectual history, this paper deconstructs Goldziher's assumptions. It evaluates his claims against the normative frameworks of the Qurʾān, authentic Hadīth corpora, and foundational Islamic scholarship.

The findings reveal that Goldziher's hermeneutical framework relies heavily on reductive historical-critical methods and Eurocentric psychological reductionism, which fundamentally misinterpret the Islamic ontology of waḥy. By contrasting his critique with classical textual evidence, this study demonstrates that the gradualism of Qurʾānic revelation (tanjīm al-Qurʾān) was an intentional manifestation of divine pedagogical wisdom aimed at societal, moral, and legal transformation, rather than a fragmented historical byproduct.

Ultimately, this paper argues that Goldziher's objections stem from an epistemological misalignment with sacred texts, thereby necessitating a critical reassessment of classical Orientalist scholarship within contemporary Islamic thought. This research contributes significantly to the fields of Orientalist studies, Qurʾānic textual history, and comparative theological methodology.

Keywords: Ignaz Goldziher, Orientalist Hermeneutics, Prophethood (Nubuwwah), Divine Revelation (Waḥy), Chronological Revelation, Historical-Critical Method.

تعارف:

قرآن کریم خدا کا کلام ہے اور نبی اکرم ﷺ اس وحی الٰہی کو آگے بندوں تک پہنچانے والے ہیں، مسلمانوں کے عقائد و اعمال براہ راست اسی وحی الٰہی پر مبنی ہیں، اس وحی الٰہی پر اساسی مرجع و ماخذ ہونے کے تناظر میں بہت سارے غیر مسلم محققین نے نقد کیا، یہ نقد مختلف شکلوں میں ہر زمانے میں موجود رہا۔ گولڈ زیہر بھی انہی لوگوں میں سے ایک ہیں جو قرآن کریم کو اپنی اصلیت اور حتمیت کے حوالے سے محل نظر گردانتے ہیں۔

گولڈزیہر نے فقہ اسلامی کے ماخذات اصلیہ قرآن و سنت پر بھی اعتراضات اٹھائے ہیں، قرآن کریم فقہ کے اولین اور بنیادی مصدر کی حیثیت سے مسلم کتاب ہے، جب ان ماخذات پر سوالات اٹھائے جائیں گے تو ان پر جن چیزوں کی بنیاد رکھی گئی ہے وہ از خود مشکوک ٹھہریں گی، قرآن کریم کی آیات اسلامی معاشرے کے حالات کے تقاضوں کے مطابق وقتاً فوقتاً نازل ہوئیں، قرآن کے قوانین حالات کے اقتضاء کے مطابق تدریجاً اس بات کا لحاظ رکھ کر نازل ہوئے، کہ عرب لوگ قدیم عادات کو ترک کرنے اور نئے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے کہاں تک تیار ہیں، جیسا کہ حرمت شراب سے متعلق آیات کا تدریجاً نزول۔

گولڈزیہر کے یہ اعتراضات کبھی قرآنی قرآتوں کے اختلاف کے ضمن میں، کبھی ناسخ و منسوخ کے حوالے سے اور کبھی کبھار زندگی کے عملی مشاکل کے حل کے حوالے سے بھی سامنے آتے رہے ہیں، یہ ہمارے موضوع کے تناظر میں اس لیے بھی اہم ہے کہ فقہ کی اساس اور اولین بنیاد قرآن کریم ہی ہے، گولڈزیہر آپ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مکہ کے نزدیکی پہاڑوں میں آپ نے خلوت گزینی اختیار کی اور مراقبے کیے، منصب نبوت کے آغاز میں یہ مراقبہ جات، مکاشفاتی تمثیلوں کی صورت میں سہل ہو گئے۔ جن کی گرفت آپ ﷺ کے قلب و ذہن پر پہلے سے کہیں زیادہ شدید ہو گئی، یہی چیزیں گویا آپ کی نبوت و رسالت کے لیے رہنما اصول تھیں"۔[1]

مسلمانوں کے یہاں قرآن مکرم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جو بواسطہ جبرائیل محمد ﷺ پر نازل کیا گیا، وحی کا تعلق نبی کی داخلی کیفیات کے عروج کا نام نہیں، نبی خود اس بات کا یقین کر رہا ہوتا ہے کہ وحی کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، مستشرقین عموماً ان چیزوں کو نفسیاتی اور سماجی سطح سے دیکھ کر ان پر اپنی آراء کا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔ مشہور مستشرق ہیوبرٹ گریم (Hubert Grimme) بھی اسلام کو سماجی اصلاح سے جوڑتا ہے، آیئے ہم اس چیز کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جدید و قدیم علماء بحث و تحقیق کے بعد وحی کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔[2]

جہاں تک وحی سے متعلق مسلسل مراقبہ جات اور خلوت نشینی کی بات ہے تو ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ آپ ﷺ نبوت ملنے سے تین سال قبل غار حرا میں جانا شروع ہوئے آپ کا یہ قیام وہاں پورے سال میں محض ایک ماہ تک ہوتا تھا گویا آپ کی وقفے وقفے سے خلوت

نشینی محض تین ماہ کے دورانیے پر مشتمل ہے غار حرا کے قیام کے تیسرے سال جبرائیل امین وحی لے کر آئے، اور ورقہ بن نوفل نے تصدیق کی کہ یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ کے پاس آتا تھا۔[3]

گولڈ زیہر دراصل ان الفاظ سے یہ کہنا چاہتا ہے کہ یہ وحی آپ ﷺ کے گہرے غور و غوض کا نتیجہ اور آپ کی خواہش کا اظہار تھا۔ وحی الٰہی میں یہ بات کسی طرح بھی درست معلوم نہیں ہوتی، فترۃ وحی کا زمانہ اس بات پر مستند شاہد ہے کہ تمام امور خدا کی جانب سے تھے،[4] اگر آپ بذات خود اس پر قادر ہوتے تو حزن و ملال کہیں بھی نظر نہ آتا۔ قرآن مجید میں اس اعتراض کو واضح الفاظ میں مردود قرار دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ(القصص،۲۸: ۸۶)

"اور آپ تو اس بات کے امیدوار نہیں تھے کہ آپ کی طرف کتاب نازل کی جائے یہ تو رحمتِ پروردگار ہے لہٰذا خبردار آپ کافروں کا ساتھ نہ دیجئے گا"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وحی خالصتاً الہیاتی امور سے متعلق ہے نہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کسب اور کوشش۔

قرآنی تعلیمات اور ذخیرہ احادیث:

گولڈ زیہر نے آگے چل کر لکھا ہے کہ " قرآن کی تعلیمات نے جن حدیثی اصول وضوابط کے عظیم ذخیرے میں ترقی اور تکمیل پائی یہ ذخیرہ احادیث اسلام کی روح کی خصوصیات کے تعین کے لیے بنیادوں کی حیثیت رکھتا ہے"۔ گولڈ زیہر یہ رائے ظاہر کرتا ہے کہ یہ روایات واحادیث حقیقتاً نبی ﷺ تک نہیں پہنچتی۔[5]

گولڈ زیہر مذکورہ بالا سطور میں اسلامی شریعت کی بنیاد کو مشکوک ٹھہراتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ قرآنی تعلیمات کا نشوو ارتقاء ایک ایسے ذخیرے سے وابستہ ہے جو کہ سند کے اعتبار سے اپاہج ہے، حدیث کی روایت ودرایت کے ضمن میں کیا جانے والا یہ ایک عام اعتراض ہے، بالخصوص سند کے حفاظت اور اس کے بارے میں ایک سخت معیار کی رعایت فقہاء و محدثین کی ریت رہی ہے، سند، حدیث کی اساس اور بنیاد ہے، جب اساس کمزور ہو جائے تو اس پر قائم تمام عمارت ڈگمگانے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اس ضمن میں سخت شرائط قائم کی، سند میں مذکور ایک ایک راوی کے مکمل احوال کی تحقیق کی گئی، یہاں تک کہ محدثین حدیث کے بارے میں یقین کے درجہ کے قریب پہنچ گئے۔ نعیم بن حماد کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن مہدی سے کہا کہ حدیث میں جھوٹ بولنے والے کی پہچان کیسے ممکن ہے، تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسے طبیب حاذق بے وقوف شخص کو باآسانی پہچان لیتا ہے۔[6]

سند کی تحقیق اگرچہ خاصا دقیق موضوع ہے اس لیے کہ اس میں ایک ایک راوی کے حالات کا جائزہ لینا پڑتا ہے، امام دار قطنیؒ نے بھی متن کی بجائے سند کی تحقیق کو زیادہ اہم قرار دیا ہے، سند ہی وہ رابطہ اور راستہ ہے جس کی پائیداری سے ہمارے لیے ظاہری اعتبار سے اس پر عمل کرنا ضروری ٹھہرتا ہے۔[7]

اسی طرح حدیث نبوی کا سلسلہ صرف زبانی روایات پر مکتفی نہ تھا بلکہ عہد نبوی سے ہی اس کو تحریراً محفوظ کرنے کا رواج موجود تھا، سند و متن کی پرکھ کے اعتبار سے احادیث کو مختلف تقسیمات کے تحت الگ الگ کیا گیا اور انہیں جانچ کر ہی معتبر قرار دیا گیا۔

ان حالات میں ان روایات کو اپاہج کہہ کر قرآنی تعلیمات کو مشکوک ٹھہرانا اور شریعت اسلامی کو کمزور قرار دینا غلط معلوم ہوتا ہے، قرآن کریم رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے مکمل طور پر مرتب ہو چکا تھا، صحابہ کرام میں سے ہزارہا لوگ اس کے الفاظ، معنی اور مفہوم سے واقفیت رکھتے تھے۔ گولڈ زیہر جس ذخیرہ حدیث کو بے ربط اور سند کے اعتبار سے معطل قرار دیتا ہے، تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کے دست مبارک کے تحریر کردہ احادیث کے کم از کم اڑتالیس مجموعوں کا تذکرہ کتب حدیث میں موجود ہے۔ اسی طرح صحابہ کے بعد اگلا طبقہ تابعین کا ہے۔ ان کے مرتب کردہ مجموعوں سے قدیم ماخذات کی نشاندہی ہوتی ہے۔[8]

چنانچہ یہ تمام امور اس بات پر شاہد ہیں حدیث رسول کو باقاعدہ شروع تا آخر تک ایک باقاعدہ تحقیقی عمل کے تحت نہ صرف یہ کہ محفوظ کیا گیا بلکہ اس سلسلے میں ایک نیا مستقل علمی مکتب بھی وجود میں آیا۔

کیا قرآنی تصورات زرتشت مذہب سے ماخوذ ہیں؟

گولڈ زیہر لکھتا ہے کہ "زرتشت مذہب نے بھی عربی مذہب پر اپنے نشانات مرتسم کیے ہیں"، اسی طرح گولڈ زیہر آگے چل کر اسلامی تصوف پر بھی ہندی تصوف کے اثرات کا قائل ہے۔ کیا مذہب اسلام اپنے اصولوں اور مذہبی تصورات کے سلسلے میں زرتشت مذہب کی پیروی کرتا ہے۔ یہی بات ٹسڈال بھی کرتا نظر آتا ہے۔ وہ یہ لکھتا ہے کہ "قرآن وحدیث کے الفاظ اور زرتشت کی کتب کے الفاظ درمیان حیرت انگیز مماثلت ملتی ہے"۔[9]

آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ قرآن کریم زرتشت مذہب سے کس حد تک اثر لیتا ہے اور ان دونوں کے مابین آیا حقیقی ربط بھی موجود ہے یا نہیں؟ زرتشت مذہب کا تعلق قبل از مسیح سے ہے، زرتشت 660 قبل از مسیح پیدا ہوا اور اس کا زمانہ کشتاسف بن لھراسب کا ہے، اس کے پیروکار یہ سمجھتے ہیں۔ زرتشت مذہب میں بھی انبیاء کا ایک سلسلہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ اولین طور پر ان کا بادشاہ کیومرس تھا، اس کے بعد اوشہنج بن فراول اور طہورث آئے، زرتشت کی مذہبی کتاب کا نام اوستا ہے۔

مذہب اسلام کو زرتشت مذہب کے زیر اثر مان لینے کے پیچھے دراصل وہ مماثلت ہے جو ان دونوں مذاہب کے درمیان پائی جاتی ہے، جنت اور دوزخ، ملک الموت، عزازیل (شیطان) اور عبادات کی ہیئت میں مماثلت کی بنیاد پر مستشرقین یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام زرتشتی اثرات سے متاثر ہے، اگر ہم تمام آسمانی مذاہب کے مذہبی تصورات کا جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان میں یہ تمام چیزیں باقاعدہ طور پر موجود رہی ہیں، اسی طرح ہر مذہب میں خرق عادات چیزیں جیسے معجزات وغیرہ کا تذکرہ بھی ملا ہے۔ ایسے حالات میں جب کسی چیز کا اسلام کے تصور سے تقابل کرتے ہوئے مماثل ہونا لازم آرہا ہو تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کو بنیاد بنا کر شریعت اسلامی کو مورد الزام ٹھہرایا جائے۔[10]

اگر ان مماثل تصورات میں سے کچھ زرتشت مذہب میں موجود ہیں تو ممکن ہے کہ یہ زرتشت مذہب بھی آسمانی مذاہب سے تعلق رکھتا ہو، بعد میں اس کے پیروکاروں کی جانب سے اس میں تورات انجیل کی مانند تحریف کر دی گئی ہو۔[11]

محمد بن حزم نے زرتشت مذہب میں واقع ہونے والی تحریف پر تفصیلاً بحث کی ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے زرتشتیوں کو اہل کتاب میں سے شمار کیا ہے۔ سفیان بن عیسیٰ عمر بن الخطابؓ کے ایک مکتوب کا ذکر کرتے ہیں، جس میں انہوں نے اپنے گورنر کو حکم دیا تھا کہ مجوس کے محرم رشتوں کو جدا کر دو، اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی گواہی پر ان سے جزیہ کی وصولیابی شروع کی اور جزیہ اہل کتاب سے ہی لیا جاتا ہے۔[12]

گویا چند جزوی مماثل چیزوں کی بنیاد پر جو اتفاقاً بھی ہو سکتی ہیں، یہ دلیل قائم کرنا کہ مذہب اسلام کے آثار زرتشت سے ماخوذ ہیں، قطعاً ایک بے بنیاد اور کمزور مقدمہ ہے۔

قرآن کریم پر ہگاوی اثرات کا الزام:

گولڈزیہر لکھتا ہے کہ ''آپ ﷺ نے اپنی دعوت میں عہد نامہ قدیم کی تاریخ، اکثروبیشتر اس کی ہگاوی شکل اور زمانہ قدیم کی نیست و نابود ہو جانے والی قوموں کے عبرت انگیز انجام کی مثالوں کو اس سے نقل کرتے ہوئے استعمال کیا''، آیئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟[13]

قرآن مجید میں زمانہ قدیم کی نیست و نابود ہو جانے والی اقوام کے قصے مختلف مکی صورتوں میں ملتے ہیں، یہی قصے سابقہ کتب سماویہ میں بھی مذکور ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن مکرم کو سابقہ کتابوں سے نقل کیا گیا۔ ڈاکٹر فضل حسن عباس لکھتے ہیں کہ تورات و انجیل کا عربی میں ترجمہ بعثت نبوی کے کئی سو سال بعد ہوا، اس مماثلت کا صدور بایں وجہ ہے کہ تمام آسمانی کتابوں کا مصدر و منبع ایک ہی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم اپنے مخصوص حالات کے مطابق ان قصص سے اپنے مخاطبین کے فہم کو جھنجھوڑتا ہے۔ قرآن کریم واقعات کی جزوی تفصیلات بتلاتا ہے۔ ان کے حقائق کو آشکارا کرتا ہے، یہ تفصیلات ہمیں سابقہ کتب میں نہیں ملتیں اور قرآن کے نزول کے وقت لوگ ان سے لاعلم تھے۔[14]

جیسا کہ قرآن کریم خود اس طرف اشارہ کرتا ہے۔

تِلْکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ(ھود،۱۱:۴۹(

''پیغمبر علیہ السّلام یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں جن کا علم نہ آپ کو تھا اور نہ آپ کی قوم کو لہٰذا آپ صبر کریں کہ انجام صاحبانِ تقویٰ کے ہاتھ میں ہے''۔

علاوہ ازیں قرآن کریم کو ہگاوی شکل کا پرتو قرار دینا اور اس میں عہد نامہ قدیم کی تاریخ کے اثرات کا موجود ہونا، یہ ایک ایسی بات جو دوسری جگہوں پر بہت سارے مستشرقین نے بھی کہیں ہے، منٹگمری واٹ قرآنی آیات کے بابل سے ماخوذ ہونے کا ذکر کرتے ہوئے رقم طراز ہے۔

"قرآن کی اولین عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وحدانیت کا تصور، مرنے کے بعد کی زندگی کا تصو، اور حشر و نشر کے تصورات کے اعتبار سے اسلام یہودی اور مسیحی نظام توحید کے مطابق ہے، بعد کی آیات میں قرآن بائبل کی روایات پر اکتفا کرتا ہے، اس لیے کہ یہ عہد نامہ قدیم کے ساتھ مماثل ہیں"۔[15]

اس طرح کے اعتراضات نئے نہیں ہیں بلکہ مشرکین مکہ نے بعینہ یہی اعتراضات اٹھائے تھے۔

وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اکْتَتَبَہَا فَہِیَ تُمْلٰی عَلَیْہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا۔(الفرقان،۵:۲۵(

"اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلے لوگوں کے افسانے ہیں جسے انہوں نے لکھوالیا ہے اور وہی صبح و شام ان کے سامنے پڑھے جاتے ہیں"۔

مستشرقین اور دیگر متعصب معترضین اگر غیر جانبدار ہو کر اس چیز کا جائزہ لیں تو انہیں معلوم ہو گا کہ قرآن کا ماخذ و منبع عہد نامہ قدیم ا ور دیگر آسمانی کتب ہر گز نہیں، آیئے اس کو دو مثالوں سے سمجھتے ہیں۔

طوفان نوح:

بائبل کے مطابق طوفان نوح Universal Flood یعنی پوری کائنات کو محیط تھا، جبکہ قرآن کریم نے کہیں اشارتاً بھی اسے آفاقی نہیں کہا، اس ضمن میں قرآن کہتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ فَلَبِثَ فِیْہِمْ اَلْفَ سَنَۃٍ اِلَّا خَمْسِیْنَ عَامًافَاَخَذَہُمُ الطُّوْفَانُ وَہُمْ ظٰلِمُوْنَ (العنکبوت،۱۴:۲۹(

"اور ہم نے نوح علیہ السّلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور وہ ان کے درمیان پچاس سال کم ایک ہزار سال رہے پھر قوم کو طوفان نے اپنی گرفت میں لے لیا کہ وہ لوگ ظالم تھے"۔

بپتسمہ کی روایت:

انسان کا پیدائشی گناہ گار ہونا، یہ بائبل کا تصور ہے، جبکہ اسلام کا تصور اس کے بالکل منافی اور الٹ ہے۔[16] اللہ کے رسول کا فرمان ہے۔

کل مولود یولدعلی فطرة فابواه یهودانه اوینصر انه۔ [17]

"ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی بنادیتے ہیں"۔

اس تمام بحث کا حاصل یہی ہے کہ قرآن کریم اپنی ذات کے اعتبار سے متصل ہے اور خدا تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، اس بات میں کچھ بھی صداقت نہیں کہ یہ دوسری آسمانی کتابوں سے ماخوذ ہے۔

حیات طیبہ اور استشراقی لٹریچر

علم فقہ کی دوسری بڑی اساس اور دوسرا بڑا ماخذ ذات نبوی ﷺ ہے محمد ﷺ بحثیت انسان اور بحیثیت پیغمبر ﷺ تمام مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہیں، ان دونوں جہتوں میں تفریق مسلمانوں کے یہاں قابل قبول نہیں، منصب رسالت کے آغاز سے لیکر آخری سانس تک خدا کے رسول تھے اور تاقیامت ان کی رسالت باقی ہے، آپ کی زندگی کا ہر قول و فعل رسول خدا کی حیثیت سے تھا، اسی حیثیت میں آپ مبلغ و معلم، مربی و مزکی اور قاضی و حاکم بھی تھے آپ کی نجی اور خاندانی اور شہری زندگی بھی اسی حیثیت سے ہمارے سامنے موجود ہے۔

پرانے ادوار کی مانند اب اس نئے دور میں بھی انسان کو نعمت اسلام میسر آنے کے دو ہی زرائع ہیں، ایک خدا کا کلام، دوسرے اسوہ نبوت، جواب صرف محمد عربی کی سیرت پاک میں ہی محفوظ ہے، اسلام کا صحیح فہم اسی وقت ممکن ہے جب قرآن کو محمد ﷺ سے اور محمد ﷺ کو قرآن سے سمجھا جائے گویا یہ دونوں اسلام کی قائم کردہ تعمیرات کے لئے اولین بنیادیں ہیں۔[18]

ایک عملی پیغمبر کی حیثیت سے آپ ﷺ کی تمام زندگی در حقیقت قرآن کریم کی عملی تصویر ہے، آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ آپ نے بحثیت ایک پیغمبر کے اپنے پیروؤں کو نصیحت فرمائی، اس پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھلایا۔

اسلام کی نگاہ میں آپ ﷺ کی حیات ایک مسلمان کے لئے کامل نمونہ ہے، اس لیے اس نمونہ کے تمام پہلو سب کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہیں آپ کی زندگی کے سلسلہ کی کوئی کڑی گم نہیں ہے، کوئی واقعہ زیر پردہ نہیں ہے۔[19]

اسلام کے مذہبی تصورات پر یہودیت وعیسائیت کی چھاپ:

گولڈ زیہر لکھتا ہے کہ "آپ ﷺ کے عربی اسلام کے پیغام میں جو مذہبی تصورات موجود تھے۔ یہ تصورات آپ ﷺ کو یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر عناصر کے ساتھ تعلقات وروابط نے سمجھائے تھے۔ ان تصورات نے آپ کو گہرے طور پر متاثر کیا تھا۔ آپ کو یہ تصورات بالکل موزوں محسوس ہوئے"۔

اسلام پر کیا جانے والا یہ اعتراض مستشرقین کا ایک پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ اور اسے چند دوسرے مستشرقین نے بھی دوسرے پیرائے میں دہرایا ہے۔ ان کے اس اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ قرآن میں انبیاء کے قصص، امم سابقہ کے احوال اور چند دوسری چیزیں ایسی ہیں جو مقدس صحائف سے ملتی جلتی ہیں۔ تو اس سے یہ مستشرقین یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسلام کے مذہبی تصورات کی بنیاد بھی یہی سابقہ آسمانی کتابیں ہیں۔ جن کے جاننے والوں سے محمد ﷺ نے یہ سب کچھ سیکھ کر اپنے حالات پر منطبق کر لیا۔ آیئے اس اعتراض کا مفصل جائزہ لیتے ہیں۔

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ آپ ﷺ امی تھے۔ آپ ﷺ نے نہ کبھی کسی سے کچھ پڑھا اور نہ ہی کسی قسم کی کتابت سے منسلک رہے، آپ کی یہود و نصاریٰ کے پڑھے لکھے طبقے سے زیادہ تعلقات بھی ثابت نہیں، جن قصوں کی مماثلت کو بنیاد بنا کر یہ اعتراض اٹھایا جارہا ہے، وہ مکی عہد کی تنزیلات سے تعلق رکھتے ہیں اور مکہ وہ جگہ ہے جہاں یہود و نصاریٰ رہائش پذیر نہ تھے۔ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف

لائے تو یہاں بسنے والے یہود آپ کی معاندت میں پیش پیش تھے اور ہر قسم کے علوم کو چھپاتے تھے۔ یہ کتمان علم ان میں موجود ایک بری خصلت کے طور پر قرآن میں مذکور ہے، ایسے حالات میں نبی کریم ﷺ کا ان سے دقیق قسم کے مبادی علوم سیکھنا بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے۔[20]

اسی طرح سیرت رسول سے واقف ہر شخص یہ دیکھ سکتا ہے کہ نصاریٰ کا رویہ آپ ﷺ کے ساتھ کس طرح کارہا، انہوں نے علانیہ آپ کی بات کو جھٹلایا، صرف یہی نہیں بلکہ قرآن ان کے ساتھ ہونے والے مباہلے میں ان کے رویے کا خصوصیت سے ذکر کرتا ہے، ان کی علمی خیانتوں اور اسلام کے ساتھ ان کی روش کو سامنے لاتا ہے، ایسے حالات میں نبی ﷺ سے متعلق ان سے استفادہ کرنے کا دعویٰ حقیقت سے بہت بعید معلوم ہوتا ہے۔

جہاں تک قصص میں مماثلت کی بات ہے تو قرآن کریم ان قصوں میں کی جانے والی تحریفات کا پردہ چاک کرتا ہے، ان میں خود ساختہ تغیرات و تبدیلیوں کی تصحیح کرکے ایک درست شکل لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔[21]

جن لوگوں کے ساتھ آپ ﷺ کی ملاقات کا تذکرہ کتب تاریخ میں ملتا ہے۔ مثلا بجیرہ راہب، ورقہ بن نوفل، اور سلمان فارسیؓ وغیرہ۔ ایسی ملاقاتوں کے احوال میں کسی بھی مستند تاریخی روایت میں یہ بات کہیں بھی نہیں ملتی کہ آپ ﷺ نے باقاعدہ ان سے سیکھا ہو، بالفرض اگر تحصیل علم کے لیے ان کے پاس جاتے بھی تو یہ بات اس چیز کی متقاضی تھی کہ آپ وقت کا ایک بڑا حصہ خرچ کرتے اور بہت کثرت سے اسفار کرتے جب کہ آپ ﷺ چند مختصر تجارتی اسفار کو چھوڑ کر مکہ سے باہر کبھی نہیں گئے۔[22]

آپ ﷺ نے یتیمی کی حالت میں آنکھ کھولی اور عہد طفولت بنو سعد میں گزارا۔ پھر اپنے دادا عبد المطلب کی کفالت میں مکہ میں رہے، ان کے بعد اپنے چچا ابو طالب کی کفالت میں آئے، شام کا دو مرتبہ سفر کیا، ۱۲ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر میں بجیرہ نامی راہب سے ملاقات کی، اور دوسری مرتبہ کا تجارتی سفر سیدہ خدیجہ کے مال کے ساتھ کیا، واپسی پر شادی کرلی، اور برابر مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، غار حرا میں تنہائی میں عبادت و ریاضت کا بھی یہی دور تھا۔ یہاں تک کہ آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی، اس سارے عرصے کی تفصیل سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے اور کہیں پر بھی یہ تاثر نہیں ملتا کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں سے کچھ سیکھا ہو یا تعلیم حاصل کی ہو۔[23]

الحاصل یہ کہ اسلام کے مذہبی تصورات اپنی بنیاد میں وحیِ الٰہی، قرآنِ مجید اور سنتِ نبوی ﷺ سے ماخوذ ہیں، نہ کہ یہودیت یا عیسائیت سے مستعار۔ اگرچہ سابقہ آسمانی مذاہب کے ساتھ بعض مشترک عقائد موجود ہیں، لیکن اسلام نے ان عقائد کو اصل الٰہی صورت میں پیش کیا اور تحریفات کی اصلاح کی۔ اس لیے اسلام کے مذہبی تصورات کو یہودیت و عیسائیت کی محض چھاپ قرار دینا تاریخی اور علمی اعتبار سے درست نہیں۔

آپ ﷺ کے بارے میں "امراض" کی ہرزہ سرائی:

آپ ﷺ کے بارے میں گولڈ زیہر کے رجحانات کچھ بہتر نہیں ہیں، وہ یہ سمجھتا ہے کہ آپ ﷺ کی گہری دلسوزی کے پس منظر میں ہارنیک کے الفاظ البتہ ضرور ذہن میں آتے ہیں کہ وہ "امراض" جو صرف فوق البشر افراد کو نشانہ بناتے ہیں اور جو ان اشخاص وافراد سے اس قسم کی حیات نو کو ظہور میں لاتے ہیں، جو غایت درجہ غیر متوقع ہوتی ہے۔ جو اس طرح کی عظیم الشان قوت ودانائی معرض وجود میں لاتے ہیں جو ان کی راہ کی تمام رکاوٹوں کو ہموار کر دیتی ہے۔ اور ان اشخاص سے انبیاء یا رسولوں کے بلند پایہ جوش ولولہ کا اظہار ہوتا ہے۔ 24

گولڈزیہر کا آپ ﷺ کی ذات گرامی پر یہ اعتراض نیا نہیں، اسپر نگر نے بھی اسی پیرائے میں یہ بات کہی ہے، وحی کے وقت ایک خاص کیفیت کے پیدا ہو جانے کو کسی مرض سے جوڑنا درست نہیں، جہاں تک جسمانی تغیرات کا تعلق ہے، یہ اس حوالے سے دیکھا جاتا ہے کہ ان لمحات میں آپ ﷺ کا رابطہ اس جہان سے کٹ کر دوسری دنیا سے تعلق رکھنے والی مخلوق کے ساتھ جڑ جاتا تھا، ان وجوہ سے آپ کو غیر معمولی مشقت پیش آتی تھی، منٹگمری واٹ جیسا اسلام دشمنی میں شہرت رکھنے والے مستشرق بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کو مرض کے ساتھ جوڑنا چنداں درست نہیں۔ وہ لکھتا ہے۔

> "وحی کے نازل ہونے کے وقت کبھی کبھی کچھ جسمانی عوارضات لاحق ہوتے تھے، آپ کو شدید تکلیف محسوس ہوتی، گھنٹی کی آواز کانوں میں بجنا شروع ہوتی، وحی کے نزول کے وقت سخت سردی میں بھی آپ کے چہرے پر پسینہ آجاتا تھا، اس سے مغربی نقاد یہ قیاس کر بیٹھے کہ آپ مرگی کے مرض میں مبتلا تھے۔ لیکن یہ خیال غیر منطقی ہے، مرگی انسان کو ذہنی وجسمانی اعتبار سے نقاہت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ لیکن محمد ﷺ میں اس قسم کے کچھ آثار نظر نہیں آتے، آپ ﷺ تادم آخر ذہنی وجسمانی قوی کے اعتبار سے صحیح اور سلامت تھے"۔ 25

بالخصوص جب ہم اولین وحی کے اطراف کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات مزید پختہ ہوتی چلی جاتی ہے کہ وحی کسی گہرے غور وفکر کا ہرگز نتیجہ نہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا جاگنے کی حالت میں جبرائیل کو دیکھنا، اس بات کی دلیل ہے کہ وحی کا تعلق خارج سے ہے داخل سے نہیں، اسی طرح اس پہلی وحی میں آپ ﷺ کا خوف زدہ ہونا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کو رسالت کی کچھ توقع نہ تھی جو ذمہ داری آپ کے ذمہ لگائی گئی۔ آپ کے دل میں پہلے اس کا خیال تک نہیں گزرا۔

اگر وحی کا تعلق کسی گہرے غور وفکر سے ہوتا اور آپ کی اپنی ایماء پر ہوتی تو قرآن کریم میں ایسی آیات نہ ہوتیں جن میں آپ کو کسی کام پہ ٹوکا گیا ہے، مثلاً سورہ عبس کی ابتدائی آیات میں عبد اللہ بن ام مکتومؓ کا واقعہ، جس میں آپ ﷺ کے سرداران قریش کے ساتھ دعوتی انہماک اور عبد اللہ بن ام مکتوم کو نظر انداز کرنے پر اظہار ناراضی کیا گیا۔

کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ سائلین کے جواب میں لمبی خاموشی اختیار کی گئی، اور اس پر آپ کو پریشانی بھی اٹھانا پڑی، واقعہ افک میں آپ ﷺ مہینہ بھر پریشان رہے، جب تک وحی نہیں آئی معاملہ صاف نہیں ہوا۔[26]

کیا آپ ﷺ نے شرعی تصورات کو دوسرے ادیان سے اخذ کیا؟

گولڈ زیہر آپ ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے کہ "آپ نے مختلف مذاہب وادیان اور ان کے حامل متنوع اشخاص سے تعلقات استوار کیے اور ان تعلقات وروابط سے بعض تصورات اخذ کیے جو بازگشتی متفکرانہ دورانیہ میں خود میں گہرائی سے جذب کر لیتے تھے۔[27]

گولڈ زیہر اس طرح کی بے سند باتیں اکثر وبیشتر شریعت کے ماخذات کے ضمن میں ذکر کر دیتا ہے۔ مذکورہ بالا اعتراض بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

نبوت سے قبل کے چالیس سال آپ ﷺ نے اس طرح گزارے کہ اس میں تعلیم وتعلم یا علمی مجلسوں کا کچھ نظم کہیں بھی موجود نہیں تھا، کہ جن پر آپ پر اپنی نبوت کی بناء کرتے، اس پورے دورانیے میں کبھی بھی آپ کو ان مباحث پہ گفتگو کرتے نہیں دیکھا گیا۔ جو قرآن کا موضوع بحث ہیں، اس دوران آپ کے کسی قریبی عزیز یا دوست نے بھی ایسا کچھ بھی محسوس تک نہ کیا کہ آپ آگے چل کر کسی نئی چیز کی طرح ڈالنے والے ہیں یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ قرآن آپ کے دماغ کی پیداوار نہیں، بلکہ اس کا منبع خارج سے ہے، چنانچہ قرآن مکرم بڑے واضح الفاظ میں بتلاتا ہے۔

> وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَo وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَo وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (القصص،۲۸: ۴۴ تا ۴۶)
>
> "اور آپ اس وقت طور کے مغربی رخ پر نہ تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف اپنا حکم بھیجا اور آپ اس واقعہ کے حاضرین میں سے بھی نہیں تھے۔ لیکن ہم نے بہت سی قوموں کو پیدا کیا پھر ان پر ایک طویل زمانہ گزر گیا اور آپ تو اہل مدین میں بھی مقیم نہیں تھے کہ انہیں ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے لیکن ہم رسول بنانے والے تو تھے۔ اور آپ طور کے کسی جانب اس وقت نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی لیکن آپ کے پروردگار کی رحمت ہے کہ آپ اس قوم کو ڈرائیں جس کی طرف آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا ہے کہ شاید وہ اس طرح عبرت اور نصیحت حاصل کر لیں"۔

یہ تینوں باتیں اس وقت کہی گئیں جب آپ کی مخالفت ومعاندت میں مکہ کے زعماء پوری طرح پیش پیش تھے، اور انہیں یہود ونصاریٰ کی تائید بھی حاصل تھی، لیکن اس سب کے باوجود وہ آپ کو چیلنج نہ کر سکے، کیونکہ وہ آپ کے امی ہونے کو جانتے سمجھتے تھے۔ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ آپ نے کبھی کسی عیسائی یا یہودی سے کچھ نہیں سیکھا، آپ ﷺ کے شام وفلسطین کے تجارتی اسفار ان کے سامنے

تھے، جہاں آپ اکیلے نہیں گئے بلکہ پورے تجارتی قافلے کے شریک سفر تھے، اور اگر کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آتا تو سینکڑوں زندہ شاہدین گواہی دے دیتے کہ آپ نے وہاں کسی سے کوئی درس نہیں لیا۔[28]

مشہور مستشرق کارلائل نے آپ ﷺ کے کسی بھی شخص سے کچھ بھی نہ سیکھنے کے بارے میں برملا اعتراف کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ

> ''محمد ﷺ نے کبھی کسی استاد سے کچھ نہیں سیکھا، نہ ہی آپ خط و کتابت پر قادر تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے علم و حکمت عطا کیا تھا، اور بلند و بالا آسمان سے اترنے والی سچی آواز نے ہی انہیں سکھلایا تھا''۔[29]

مکہ مکرمہ میں ورقہ بن نوفل ایک بہت بڑے عالم تھے لیکن ان کا انتقال آپ ﷺ کے دعوتی آغاز سے قبل ہی ہو چکا تھا اگر اس طرح کوئی واقعہ موجود ہوتا کہ آپ نے ورقہ بن نوفل سے سیکھا ہے تو اہل مکہ اسے ضرور سامنے لاتے۔

یہود زیادہ تر یثرب، خیبر اور یمن میں رہائش پذیر تھے اور آپ ﷺ کا ان سے رابطہ عدم الوقوع ہے، اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ نے یہود کے برے خصائل کا پردہ چاک کیا، جو لوگ ایمان لائے وہ ہمیشہ آپ کے مطیع بن کر رہے اور آپ نے کبھی بھی ان سے نہیں سیکھا۔[30]

مکی اور مدنی عہد کی تنزیلات اور گولڈ زیہر

مدینہ کے ماحول میں آپ ﷺ کا رویہ اور گولڈ زیہر کا اعتراض:

گولڈ زیہر آگے چل کر مکہ اور مدینہ میں اسلام کے تصورات مین فرق کو موضوع بحث بناتا ہے۔ وہ آگے چل کر لکھتا ہے کہ ''مدینہ کے ماحول میں پیغمبر محض ایک صاحب کشف و بصیرت ہستی نہ رہے تھے، جدید حالات نے آپ کو اب ایک مجاہد ایک فاتح اور ایک سیاسی مدبر کی حیثیت میں بدل دیا تھا''۔[31]

یہ واقعہ مدینہ میں ہی وقوع پذیر ہوا کہ اسلام نے ایک ادارہ کی صورت اور ساتھ ہی ایک جنگجو تنظیم کی شکل اختیار کر لی، جس کا نقارہ اسلام کی بعد کی کل تاریخ میں گونجتا رہا۔

ان سطور پر بحث سے قبل ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کی امتیازی شان غلبہ دین حق ہے، یعنی دین اسلام کو بالفعل قائم کرنا اور اس کے غلبے اور نفاذ کے لیے تمام تر کوششیں بجالانا، یہ نفاذ ایک انقلابی جدوجہد کا متقاضی ہے، آپ ﷺ کی سیرت میں ہمیں وہ تمام اوصاف ملتے ہیں جو اس جدوجہد کے لیے ضروری ہیں۔ اسی بات کو سورہ المدثر میں سادہ الفاظ میں اس طرح بیان کیا گیا۔

وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ (المدثر، ۷۴: ۳)

''اور اپنے رب کی بزرگی کا اعلان کرو''۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس جدوجہد کا پہلا مرحلہ آپ ﷺ کی زندگی کے مکی دور میں نظر آتا ہے، اور یہ دور دعوت دین، تبلیغ دین، اور تزکیہ و تنظیم پر مشتمل ہے۔[32]

قرآن مجید میں وارد ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (ال عمران، ۳: ۱۶۴)

"یقیناً خدا نے صاحبانِ ایمان پر احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو ان پر آیاتِ الٰہیہ کی تلاوت کرتا ہے انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ یہ لوگ پہلے سے بڑی کھلی گمراہی میں مبتلا تھے"۔

اس پورے دور میں آپ کو سخت حالات سے دوچار ہونا پڑا، جب آپ ہجرت کر کے مدینہ گئے تو اب آپ کی جدوجہد ایک نئے عہد میں داخل ہو گئی۔ اب Passive Resistance کا دور ختم ہو گیا۔ اور active resistance کا دور شروع ہو گیا، سورۃ الحج کی یہ آیت مبارکہ اس مرحلے کو اس طرح نمایاں کرتی ہے۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ (الحج، ۲۲: ۳۹)

"جن لوگوں سے مسلسل جنگ کی جارہی ہے انہیں ان کی مظلومیت کی بناء پر جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قدرت رکھنے والا ہے"۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں قائم اسلام حکومت کو حسن تدبیر، معاملہ فہمی، پیش بینی کے ساتھ چلایا، مدینہ کے اس دور میں آپ کو مختلف جنگیں بھی لڑنا پڑیں، اپنے منصب دعوت کی رعایت کرتے ہوئے مختلف بادشاہوں اور گورنروں کو خطوط بھی لکھے گئے۔ مکی دور میں زیادہ زور ایمانی عقائد اور کچھ ایسے اخلاقی اعمال پر رہا جن کی اچھائی سب کے نزدیک مسلم ہے۔

مکی دور میں اہل ایمان کو ان شرعی احکامات پر عمل کی دعوت نہیں دی گئی، جو قرآنی نظام حیات کے اندر اجتماعی زندگی کے معاشرتی، معاشی اور سیاسی پہلوؤں سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے کہ مکہ مکرمہ کا اجتماعی ماحول اور اس وقت مسلمانوں کی اجتماعی حالت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی، آگے چل کر جب مدنی دور میں موافق و سازگار ذہنی اور خارجی حالات پیدا ہو گئے اور مخالف ردعمل کے تدارک کے مواقع میسر آ گئے تو ان شرعی احکام کا نفاذ عمل میں آیا۔

آپ ﷺ نے اپنے مخالفین و معاندین کے ساتھ مختلف حالات و ظروف کے اندر مختلف رویے اور طرزِ عمل کو اختیار فرمایا، مکی دور میں عدم تشدد اور عفو و درگزر کا رویہ کار فرما رہا، مدنی زندگی میں آپ نے دفاعی حکمت عملی اختیار فرمائی، میثاق مدینہ سے مصالحت ٹپکتی ہے لیکن جب مخالف فریق بدعہدی کرتا ہے تو آپ کی پالیسی دوٹوک اور سخت ہو جاتی ہے۔ اگر یہاں پر بھی نرمی کا مظاہرہ برتا جاتا تو مسلمانوں کا وجود ہی خطرے سے دوچارہ ہو جاتا اور آپ ﷺ کی ساری زندگی کی محنت ضائع ہو جاتی۔ اور عہد نبوت میں معاشرے کی مکمل اصلاح اور تمام ادیان پر دین اسلام کے غلبہ کا مقصد حاصل نہ ہو پاتا۔[33]

هُوَالَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ۔ (التوبہ، ۹: ۳۳)

"وہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب بنائے چاہے مشرکین کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو"۔

اس ساری بحث سے ہم مکی اور مدنی زندگی کے درمیان بنیادی فرق کو با آسانی سمجھ سکتے ہیں، گولڈ زیہر کا مذکورہ بالا اعتراض بھی ان مقدمات کو سمجھ لینے سے رفع ہو جاتا ہے۔ گولڈ زیہر اسلام کو ایک جنگوانہ مذہب قرار دیتے ہوئے یہ بھلا بیٹھتا ہے کہ اسلام کے پیروکاروں نے جنگ میں کس طرح کے اصول اپنائے، فتح مکہ کے موقع پر ازلی دشمنوں کو بھی معاف کر دیا گیا، جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی رہائی ہمیشہ اسلام کی نظر میں مستحسن رہی، اسلام کو ایک جنگجوانہ مذہب قرار دینے والے ہمیشہ اس وقت کے سیاسی حالات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جن سے مسلمانوں کو نبرد آزما ہونا پڑا، غزوہ بدر، احد اور بعد میں خندق تک ہر موقع پر مسلمانوں کو یکسر مٹانے کی کوششیں کی جاتی رہیں۔ ایسے حالات میں کوئی شخص بھی ہاتھ باندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔

مکی اور مدنی طرز حیات کا فرق اور گولڈ زیہر:

گولڈ زیہر اگلی سطور میں آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کو موضوع بحث بناتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مکہ کے گزرے ہوئے کل میں آپ نے دنیاوی جاگیروں کو اور زمینی املاک کو قابل نفرت و حقارت ٹھہرایا تھا۔ لیکن اب آپ غنیمت کی تقسیم کو منضبط کر رہے تھے"۔[34]

آپ ﷺ کی مکی زندگی کی درویشانہ جھلک اور صحابہ کی زندگی کا زہد اور راہبانہ بودوباش گولڈ زیہر کی نظر میں مدینہ میں ملنے والی فتوحات نے یکسر تبدیل کر دیا تھا، وہ اسی طرح مکی تنزیلات کو بھی زہد کی طرف مائل بتلاتا ہے۔

قرآن کی نظر سے اولا اس کو پرکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ (گولڈ زیہر) اپنے دعویٰ میں بلا دلیل کے ہے، سورہ الاعراف مکہ میں نازل ہوئی، اس میں دیئے جانے والے حکم میں مسلمانوں کے لائف سٹائل کو دیکھا جاسکتا ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۝قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

(الاعراف، ۷: ۳۱۔ ۳۲)

"اے اولادِ آدم ہر نماز کے وقت اور ہر مسجد کے پاس زینت ساتھ رکھو اور کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ پیغمبر آپ پوچھئے کہ کس نے اس زینت کو جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ رزق کو حرام کر دیا ہے۔۔۔ اور بتائیے کہ یہ چیزیں روزِ قیامت صرف ان لوگوں کے لئے ہیں جو زندگانی دنیا میں ایمان لائے ہیں۔ ہم اسی طرح صاحبانِ علم کے لئے مفصل آیات بیان کرتے ہیں"۔

اسی طرح ایک اور مکی سورت سورہ القصص میں وارد ہے۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ

اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (القصص،۲۸:۷۷)

"اور جو کچھ خدا نے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کا انتظام کرو اور دنیا میں اپنا حصّہ بھول نہ جاؤ اور نیکی کرو جس طرح کہ خدا نے تمہارے ساتھ نیک برتاؤ کیا ہے اور زمین میں فساد کی کوشش نہ کرو کہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔"

کیا یہ آیت ترک دنیا کا تقاضا کرتی ہے۔ دراصل قرآن کریم دنیا کے ساتھ انہماک مسلسل اور اس سے درآنیوالی غفلت پر تنبیہ کرتا ہے جو دنیا و آخرت سے بیگانہ کر دے۔[35]

مکی عہد کو زہد سے معمور ماننا اور مدنی عہد کو عیش و عشرت سے بھرپور قرار دے کر ان دونوں کے درمیان فرق کرنا یہ ایک غلط اور عبث خیال ہے۔ ہم مکی عہد کی تنزیلات کو دیکھتے ہیں کہ وہ دنیا کی بے ثباتی کو بھی اسی طرح بیان کرتی نظر آتی ہیں۔ سورہ انعام جو کہ مکی سورت ہے، اس میں دنیا کی بے ثباتی کو اس طرح بیان کیا گیا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(الانعام،۶:۳۲)

"اور یہ زندگانی دنیا صرف کھیل تماشہ ہے اور دار آخرت صاحبانِ تقویٰ کے لئے سب سے بہتر ہے۔۔۔ کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی ہے"۔

دراصل اسلام مکی ہو یا مدنی وہ ہر ایسے رویے کی بیخ کنی کرتا ہے جو رہبانیت اور ترک دنیا سے عبارت ہو۔ اور اسی طرح زندگی کے ہر ایسے زاویہ کو غلط قرار دیتا ہے جہاں انسان ان لذتوں میں کھو کر خدا کو بھلا بیٹھے۔[36]

مکی و مدنی عہد کی تنزیلات کا انداز خطابت:

گولڈ زیہر یہ لکھتا ہے کہ "مکی عہد سے وہ تنزیلات تعلق رکھتی ہیں، جو ایک رؤیائی طرز اور پرزور انداز خطابت میں آپ کی روح کی گہرائیوں میں رواں دواں ہیں، مدنی سورتوں میں ابتدائی پیغمبرانہ قوت و جوش میں بتدریج ضعف آگیا، گاہے بہ گاہے وہ روزمرہ نثر تک اتر آئیں، ان کی ولولہ انگیز خطابت بے رنگ ہو کر رہ گئی"۔[37]

گولڈ زیہر کے مندرجہ بالا خیال کو سمجھنے سے قبل ہم اس بات کا منطقی جائزہ لیتے ہیں کہ اس طرح کا مذکورہ تغیر کس طرح وقوع پذیر ہوتا ہے۔ مستشرقین قرآن کو جہاں آپ کی ذاتی کاوش ثابت کرنے کے لیے، تعلیمات قرآنیہ میں ایک ارتقاء کے قائل ہیں وہیں وہ قرآن کے مصادر کو متعین کرنے کے بھی متمنی ہیں تاکہ یہ خالصتاً انسانی کوشش کے زمرے میں آسکے، مستشرقین اس کے پس منظر میں یہ بھلا بیٹھتے ہیں کہ انسانی کلام صاحب کلام کی سوچوں، اور اس کے گرد و پیش کا مظہر ہوتا ہے۔ حالات پلٹا کھا جائیں تو لہجہ بدل جاتا ہے۔ لہجے میں لجاجت دھیما پن اور رویوں میں تعاون کی جھلک نظر آنے لگتی ہے۔

اب آپ ذرا آنحضرت ﷺ کی زندگی کا جائزہ لیں کہ آپ کو کس طرح کے حالات سے نبرد آزما ہونا پڑا، چند قریبی رشتہ داروں اور دوستوں کو چھوڑ کر سب آپ سے دشمنی برت رہے تھے، حتیٰ کہ آپ پر شخصی رکیک حملے بھی کیے گئے، ساحر اور شاعر کے لقب سے مطعون کیا گیا، شعب ابی طالب میں محاصرے کی زندگی، عام الحزن، ہجرت، مدینہ کی ریاست کے والی، قرآن ان سب احوال میں اترتا رہا، سورتیں مکی ہوں یا مدنی، انداز ایک ہی ہے۔ پیغام ایک ہی ہے، ایک ہی آہنگ اور ایک ہی بیان اسلوب بیان ہے۔

پیغام کا ایک ہونا دونوں ادوار کی حیثیت کو تبدیل نہیں کرتا، مکہ میں دیے جانے والے قرآن کے پیغام میں ایک خطابت اور روئیائی طرز اس لیے کار فرما تھے کہ وہاں کا مکی ماحول اس کا متقاضی تھا، مکہ کے لوگوں میں ادبی شعور اور ان کے مخصوص مذہبی حالات اس طرز کے متقاضی تھے۔ مدینہ میں آکر اب شریعت عملی اعتبار سے پھیلنا پھولنا شروع ہوگئی تو وحی کا انداز اسی ماحول کے مطابق ہوگیا۔[38]

گولڈزیہر کا یہ دعویٰ ادبی تاثر پر مبنی ہے، نہ کہ وحی کی حقیقت پر۔ مکی اور مدنی سورتوں کے اسلوب میں فرق حالات، مخاطبین اور معاشرتی تقاضوں کے بدلنے کی وجہ سے ہے؛ مکی سورتیں عقیدہ، دعوت اور انذار پر مرکوز ہیں، جبکہ مدنی سورتیں اسلامی ریاست، قانون، عبادات اور اجتماعی زندگی کی رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ لہٰذا اسلوب کی تبدیلی کو پیغمبرانہ قوت کے ضعف پر محمول کرنا علمی اور قرآنی شواہد کے مطابق درست نہیں۔

خلاصہ بحث

مجھے اس موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ رہا کہ ان بنیادی عوامل پر غور کیا جائے جس کی بنیاد پر مستشرقین شریعت و قانون اسلامی پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

اس کا ایک بڑا سبب مشرق اور مغرب کے درمیان فکر و نظر کا فرق ہے۔ مستشرقین ہمیشہ ان چیزوں پر بحث کرتے ہوئے مسلمانوں کے احساسات کو یکسر بھلا بیٹھتے ہیں۔ اگرچہ بعض نکات پر ان کے کیے گئے اعتراضات بڑے مضبوط ثابت ہوئے اور مسلم محققین نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی لیکن زیادہ تر یہ لوگ اس ذخیرہ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی تحقیق کو آگے بڑھاتے ہیں جو مسلمانوں کے ہاں درخور اعتناء نہیں۔

گولڈزیہر ماخذات قرآن و سنت پر اعتراض اٹھاتا ہے گولڈزیہر کی نظر میں قرآن کریم یہودی و عیسائی تصورات کی ایک جدید شکل ہے۔ اور اس میں بیان کیے گئے قصے اور روایات پچھلی آسمانی کتابوں کا چربہ ہیں جن میں حالات کے مطابق تبدیلی کرلی گئی ہے۔

گولڈزیہر سنت کو مختلف شخصیات و تجارتی اسفار سے مستعار مانتا ہے۔ اس کی نظر میں مکہ اور مدینہ کا اسلام الگ الگ ہے۔ مکہ کی زندگی رہبانیت کا عکس ہے اور مدینہ کی زندگی طاقت، وجاہت اور دوسروں پر تحکم بے جا سے عبارت ہے۔

نتائج تحقیق

- گولڈزیہر اپنی رائے اور فکر کے حوالے سے اگرچہ خود کو غیر جانبدار رکھتا ہے لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

- گولڈزیہر کی آراء زیادہ تر ان تاریخی کتب پر منحصر ہیں، جن کو محققین نے ان کتب کے زمانہ تصنیف کے مخصوص حالات اور مصنف کے جانبدارانہ رویے کی بنیاد پر درخور اعتناء نہیں سمجھا۔
- اس تحقیق کا ایک نتیجہ یہ بھی نکلا ہے کہ مستشرقین اسلام اور اس سے منسلک تصورات کو مسلمانوں کے پس منظر میں جھانکے بغیر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور زیادہ تر غلطی کر جاتے ہیں۔
- وحی جو کہ ایک خالصتاً آسمانی کلام اور خارجی شے ہے اسے گولڈزیہر نفسیاتی جانچ سے پرکھنے کی کوشش کرتا ہے، اور انسانی طبائع کو پس منظر میں رکھتے ہوئے ان کی روشنی میں وحی کے محرکات تلاشتا ہے۔ اس دوران وہ صاحب وحی کے ماقبل اور مابعد کے رویوں کے موازنے میں غلطی کا شکار نظر آتا ہے۔

سفارشات

- گولڈزیہر کی آراء کا ایک نئے اسلوب سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ جس میں اس کی اپنی ذاتی زندگی اور اس کے علمی مرتبے کے پس منظر میں اس کی فکر کو موضوع بحث بنایا جائے۔
- مستشرقین کی آراء کو بجائے نظر انداز کرنے اور انہیں متعصبانہ کہہ کر رد کرنے کی بجائے ان کو بغور سمجھنے اور علمی دنیا میں ان کا جواب ڈھونڈنے کی کوشش کی جائے۔
- مستشرقین پر اردو لٹریچر بہت کم تعداد میں اور غیر مرتب انداز میں ہمارے مختلف علمی مواد میں بکھرا ہوا ہے۔ اس حوالے سے مختلف عربی اور انگریزی کتب کے تراجم کی اشد ضرورت ہے۔
- عصر رواں کے حوالے سے، سائنسی انداز میں اور منطقی لہجے میں، معترضین اسلام کو علمی میدان میں موضوع بحث بنایا جائے۔

---

[1] Ignaz Goldziher, Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā, tarjamah o tahqiq: Raihan Umar (Lahore: Aks Publications, 2018), p. 29.
[2] Dr. Muhammad Sanaullah Nadwi, *Ulum-i-Islamiyah aur Mustashriqin* (Lahore: Nashriyat, 2009), p. 16.
[3] Abdul Malik al-Himyari Ibn Hisham, *al-Sirat al-Nabawiyyah* (Misr: Matba'at Mustafa al-Babi al-Halabi, 1955), 1:335.
[4] Abu al-Fida Ismail Ibn Kathir, *al-Sirat al-Nabawiyyah* (Bayrut: Dar Ihya al-Turath al-Arabi, n.d.), 1:384.
[5] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 47.
[6] Salman al-Husayni al-Nadwi, *Lamhah an Ilm al-Jarh wa-al-Ta'dil* (Lakhna'o: Dar al-Sunnah lil-Nashr wa-al-Tawzi, 1992), pp. 26–27.
[7] Said Nawrasi, *Usul fi Fahm al-Hadith al-Nabawiyyah Raf'an lil-Awham anha*, tarjamah: Ihsan Qasim Salihi (Baghdad: Matba'at al-Hawadith, 1989), pp. 7, 11.
[8] Mahmud Ahmad Ghazi, *Muhadarat-i-Sirat* (Lahore: Maktabat al-Faysal, 2009), pp. 146, 150.
[9] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 42.

[10] Umar bin Ibrahim Ridwan, *Ara' al-Mustashriqin hawl al-Qur'an wa-Tafsirihī* (Riyadh: Dar Taybah, 1992), p. 282.
[11] Abdul Wahhab Ahmad, *al-Nubuwwah wa-al-Anbiya fi al-Yahudiyyah wa-al-Masihiyyah wa-al-Islamiyyah* (Bayrut: Maktabat Wahbah, 1979), pp. 10–11.
[12]Muhammad bin Isa Tirmidhi, *Jami' al-Tirmidhi*, Bab Ma Ja'a fi Akhdh al-Jizyah min al-Majus, Hadith No. 1586.
[13] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, pp. 39–40.
[14] Ibrahim Abdul Karim Abdullah, *Ara' al-Mustashriq (Rejis Blashir) fi al-Wahy al-Makki wa-al-Madani min khilal Kitabihi (al-Qur'an)* (Jamiah Imam Muhammad bin Saud al-Islamiyah, 1414 AH), p. 39.
[15] W. Montgomery Watt, *Muhammad: Prophet and Statesman* (Oxford: Oxford University Press, 1961), p. 39.
[16] Muhammad Akram Chawdhari, *Qur'an-i-Karim Ek Musalsal Mu'jizah* (Lahore: Islamic Publications Limited, 2011), pp. 108–109.
[17] Muslim bin al-Hajjaj Qushayri, *Sahih Muslim*, Hadith No. 6755.
[18] Sayyid Abu al-A'la Mawdudi, *Muqaddimah Sirat Sarwar-i-Alam* (Lahore: Idarah Tarjuman al-Qur'an, 1979), p. 34.
[19] Sayyid Sulayman Nadwi, *Khutbat-i-Madras* (Lahore: Idarah Matbuat-i-Talabah, 1995), p. 96.
[20] Muhammad Bahauddin Husayn, "al-Masadir al-Khayaliyyah fi Dirasat al-Mustashriqin," *Majallat al-Shari'ah wa-al-Dirasat al-Islamiyyah* (Kuwait: Shumarah Number: 6, 2005), p. 4.
[21]حسين Muhammad Bahauddin Husayn, "al-Masadir al-Khayaliyyah fi Dirasat al-Mustashriqin," p. 5
[22] Ali Muhammad Ismail, *Muftarayat al-Mustashriqin wa-Talamidhatihim ala al-Islam* (Qahirah: Dar al-Kalimah, 2000), p. 57.
[23] Ali Muhammad Ismail, *Muftarayat al-Mustashriqin wa-Talamidhatihim ala al-Islam*, p. 58.
[24] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 30.
[25] Muhammad Shamim Akhtar Qasmi, *Sirat-i-Nabawi par Itiradat ka Ja'izah* (Lahore: Malik and Company, 2003), pp. 90–91.
[26] Mahdi Razaqullah Ahmad, *Sirat-i-Nabawi* ﷺ(Mumbai: Dar al-Ilm, 2012), pp. 236–243.
[27] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 28.
[28] Sayyid Abu al-A'la Mawdudi, *Sirat Sarwar-i-Alam* (Lahore: Idarah Tarjuman al-Qur'an, 1989), pp. 94–96.
[29] Hamid Muhammad Uways, *Ara' al-Mustashriqin hawl Mafhum al-Wahy* (al-Nuskhah al-Ilaktruniyyah), p. 32.
[30] Ibid., pp. 52–53.
[31] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 33.
[32] Asrar Ahmad, *Rasul-i-Kamil* (Lahore: Maktabah Markazi Anjuman Khuddam al-Qur'an, 2002), pp. 36–37.
[33] Muhammad Tasin, *Sirat-i-Rasul ka Siyasi Pahlu* (Islamabad: Dawah Academy, 1998), pp. 22–24.
[34] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 34.
[35]Muhammad al-Ghazali, *Difa' an al-Aqidah wa-al-Shari'ah didda Mata'in al-Mustashriqin* (Misr: Matba'at Nahdah, 2005), p. 134.
[36] Muhammad al-Ghazali, *Difa' an al-Aqidah wa-al-Shari'ah didda Mata'in al-Mustashriqin*, p. 135.
[37] *Islami Aqaid aur Qanun ka Tarikhi Irtiqā*, p. 37.
[38] *Qur'an-i-Karim Ek Musalsal Mu'jizah*, pp. 40–41.